

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اشارات

گذشتہ مہینے اشارات کے سلسلہ میں ہم نے اُس انقلاب کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی تھی جو غنقرہ ہندوستان میں رونما ہونے والا ہے، اور جس کے آثار اب پوری طرح نمایاں ہو چکے ہیں ہمارا اصل مقصد مسلمانوں کو اس نے آنے والے انقلاب میں اپنے قومی شخص اور اپنی قومی تہذیب کی حفاظت کے لیے تیار کرنا ہے۔ مگر یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی موجودہ پوزیشن اور اس حد انقلاب کی نوعیت کو اچھی طرح نہ سمجھ لیں، اور یہ نہ جان لیں کہ اس پوزیشن میں اس نوعیت کا انقلاب ان کی قومیت اور ان کی قومی تہذیب پر کس طرح اثر انداز ہوگا اور اس کے نتائج کیا ہوں گے۔

پچھلی صحبت میں ہم مسلمانوں کی موجودہ پوزیشن پر ایک سرسری تبصرہ کر چکے ہیں جس سے حقیقت واضح ہو گئی ہوگی کہ ہندوستان کے مسلمان اس وقت کمزوری کی آخری سرحدوں پر ہیں۔

ان کا سواد اعظم اپنی قومی تہذیب اور اس کی امتیازی خصوصیات سے ناواقف ہے حتیٰ کہ اس میں اُن حد و د کا شعور تک باقی نہیں رہا ہے جو اسلام کو غیر اسلام سے ممیز کرتی ہیں اسلامی تعلیم، اسلامی تربیت اور جماعت کا ڈسپلن تقریباً منقود ہو چکا ہے۔ ان کے افراد منتشر طور پر ہر قسم کے بیرونی اثرات قبول کر رہے ہیں اور جماعت اپنی کمزوری کی بنا پر تبدیل رجحان اثرات کو اپنے اندر جذب کرتی چلی جاتی ہے۔ کافر کٹر اب موانہ کیر کٹر نہیں رہا، بلکہ زنا نہ کیر کٹر بن گیا ہے جس کی نمایاں خصوصیت تاثر اور افعال ہے ہر طور

ان کے خیالات کو بدل سکتا ہے ان کے عقائد کو پھیر سکتا ہے ان کی ذہنیت کو اپنے سانچے میں ڈھال سکتا ہے ابھی زندگی بچنے رنگ میں رنگ سکتا ہے، ان کے اصول حیات میں اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہے تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔ وہ اول تو اتنا علم ہی نہیں رکھتے کہ یہ امتیاز کر سکیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم کس خیال اور کس عملی طریقے کو قبول کر سکتے ہیں اور کس کو قبول نہیں کر سکتے۔ پھر ان کی قومی تربیت اتنی ناقص ہے کہ ان کے اندر کوئی اخلاقی طاقت ہی باقی نہیں رہی۔ جب کوئی چیز قوت کے ساتھ آتی اور گرد و پیش میں پھیل جاتی ہے تو خواہ وہ کتنی ہی غیر اسلامی ہو، اس کی گرفت سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے اور غیر اسلامی جاننے کے باوجود طوعاً و کرہاً اس کے آگے سپردِ ال ہی دیتے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ نظامِ جماعت مد سے زیادہ مضحک ہو چکا ہے۔ ہماری سوسائٹی میں اتنی قوت ہی نہیں رہی کہ وہ اپنے افراد کو حدودِ اسلامی کے باہر قدم رکھنے سے باز رکھ سکے، یا اپنے دائرے میں غیر اسلامی خیالات اور طریقوں کی اشاعت کو روک سکے۔ افراد کو قابو میں رکھنا تو درکنار ہماری سوسائٹی تو اب افراد کے پیچھے چل رہی ہے۔ پہلے چند سرکش افراد اسلامی قانون کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ سوسائٹی چند روز اس پر ناک بھول جڑا جاتی ہے، پھر دیکھتے دیکھتے وہی بغاوت ساری قوم میں پھیل جاتی ہے

انفرادیت اور لامرکزیت کی روز افزوں ترقی نے مسلمانوں کے شیرازہ قومیت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اور اجتماعی عمل کی کوئی صلاحیت اب بن میں نہیں پائی جاتی۔ شخصی اغراض اور ذاتی مفاد کی بنیاد پر جماعتیں بنتی ہیں اور پھر خود غرضی کی چٹان ہی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ کوئی بڑی سے بڑی قومی مصیبت بھی آج مسلمانوں کے رہنماؤں اور ان کے قومی کارکنوں کو اتحادِ عمل اور مخلصانہ و بے غرضانہ عمل پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ تحریکِ خلافت کی ناکامی کے بعد سے مسلسل مصیبتیں مسلمانوں پر نازل ہوئیں۔ یہیم خطرات ان کے سامنے آئے، مگر کوئی ایک چیز بھی ان کو اشتراکِ عمل کے لیے

جمع نہ کر سکی۔ تازہ ترین واقعہ سجد شہید گنج کا ہے جس نے اس قوم کی کمزوری کا راز اپنوں سے زیا  
غیروں پر فاش کر دیا۔ ان کے اندر اتنی زندگی تو ضرور باقی ہے کہ جب کوئی معیبت پیش آتی ہے  
ہے تو تڑپ اٹھتے ہیں، مگر وہ اخلاقی اوصاف باقی نہیں جن کی بدولت یہ قومی مفاد کی حفاظت  
کے لیے اجتماعی کوشش کر سکیں، ان میں اتنی تمیز نہیں کہ صحیح رہنما کا انتخاب کر سکیں ان میں اطاعت کا  
مادہ نہیں کہ کسی کو رہنما تسلیم کرنے کے بعد اس کی بات کو مانیں اور اس کی ہدایت پر چلیں۔ ان میں اتنا ایثار  
کسی بڑے مقصد کے لیے اپنے ذاتی مفاد اپنی ذاتی رائے اپنی آسائش، اپنے مال اور اپنی جان کی قربانی  
جیسی حد تک بھی گوارا کر سکیں۔

افلاس، جہالت اور غلامی نے ہمارے افراد کو بے غیرت، اور بندہ نفس بنا دیا ہے۔ وہ روٹی  
اور عزت کے بھوکے ہو رہے ہیں۔ ان کا حال یہ ہو گیا ہے کہ جہاں کسی نے روٹی کے چند ٹکڑے اور  
نام نہود کے چند کھلونے پھینکے، یہ کتوں کی طرح ان کی طرف لپکتے ہیں، اور ان کے معاوضے میں اپنے  
دین و ایمان، اپنے ضمیر، اپنی غیرت و شرافت، اپنی قوم و ملت کے خلاف کوئی خدمت بجالانے  
میں ان کو باک نہیں ہوتا۔ مسلمان کا ایمان جو کبھی سارے جہاں کی دولت سے بھی زیادہ قیمتی تھا،  
آج اتنا سستا ہو گیا ہے کہ ایک حقیر سی تنخواہ اسے خرید سکتی ہے، ایک ادنیٰ درجہ کی کرسی پر وہ قربان  
ہو سکتا ہے۔ ایک آبرو باختہ عورت کے قدموں پر وہ نثار کیا جاسکتا ہے، اکل اسی شہرٹ تا سوری عطا  
کر کے اور دو چار بجے کے نعرے لگا کر اس کو خرید لیا جاسکتا ہے۔ گذشتہ ڈیڑھ سو برس کا تجربہ بتاتا  
ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنوں نے جو کچھ کرنا چاہا، اس کے لیے خود مسلمانوں ہی کی جانت  
سے ایک دو نہیں فراروں اور لاکھوں خائن اور خداران کو مل گئے، جنہوں نے تقریر سے  
تحریر سے، ہاتھ اور پاؤں سے، حتیٰ کہ تلوار اور بندوق تک سے اپنے مذہب اور اپنی قوم کے  
مقابلہ میں دشمنوں کی خدمت کی۔ یہ ناپاک اور ذلیل ترین وصف جب ہمارے افراد میں موج

ہے تو جس طرح چھنڑا میل دوسرے رہنے والوں نے اس سے فائدہ اٹھایا، اسی طرح ہم سے ایک دوسرا  
 بچ رہنے والے بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور اگر ہماری فاش کوئی کسی کو بری نہ معلوم ہو  
 ہم صاف کہیں کہ انہوں نے اس سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے پرانی مارکیٹ میں جس  
 سردبازاری کے آثار نمایاں ہوئے ہیں، نئی مارکیٹ میں ایمان کی خرید و فروخت کا بیوپار  
 رہا ہے ہمارے کان خود اپنی قوم کے لوگوں کی زبانوں سے جب کمیونزم کا پروپیگنڈا سنتے ہیں متحدہ  
 ہندی قومیت میں جذب ہو جانے کی دعوت سنتے ہیں اور یہ آوازیں سنتے ہیں کہ اسلامی کلچر کوئی جداگانہ کلچر  
 نہیں ہے، تو ہمارا حافظ ہم کو یاد دلاتا ہے کہ کچھ اسی نوعیت کی آوازیں اس وقت بھی بلند ہونی  
 شروع ہوئی تھیں جب سرکار برطانیہ کی غلامی کا زرین پھندا ہمارے گلوں میں پڑ رہا تھا۔

ہماری قوم میں منافقتین کی ایک بڑی جماعت شامل ہے اور اس کی تعداد روز بروز  
 بڑھ رہی ہے۔ بحشت اشخاص، تعلیم یافتہ، صاحب قلم، صاحب زبان، صاحب مال و زر، صاحب  
 اثر اشخاص ایسے ہیں جو دل سے اسلام اور اس کی تعلیمات پر یقین نہیں رکھتے، مگر نفاق اور  
 قلعی بے ایمانی کی راہ سے مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہیں۔ یہ اسلام سے عقیدہ اور عملاً نکل چکے  
 ہیں، مگر اس سے ہدایت کا صریح اعلان نہیں کرتے، اس لیے مسلمان ان کے ناموں سے دہو کہ  
 کھا کر انہیں اپنی قوم کا آدمی سمجھتے ہیں، ان سے شادی بیاہ کرتے ہیں، ان سے معاشرت کے  
 تعلقات رکھتے ہیں، اور ان زہریلے جانوروں کو اپنی جماعت میں چل پھر کر اور رہ بس کر زیر  
 پھیلانے کا موقع دے رہے ہیں۔ نفاق کا خطرہ ہر زمانے میں مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا  
 خطرہ رہا ہے۔ مگر اس نازک زمانہ میں تو یہ ہمارے لیے پیام موت ہے۔ آنکھیں کھول کر دیکھیں  
 کہ یہ منافقتین کیسا مہلک زہر ہماری قوم میں پھیلا رہے ہیں۔ یہ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں،

اس کی اساسی تعلیمات پر حملے کرتے ہیں مسلمانوں کو دہریت اور اتحاد کی طرف دعوت دیتے ہیں، ان میں بے دینی اور بے حیائی اور قانون اسلامی کی خلاف ورزی کو نہ صرف عللاً پھیلاتے ہیں بلکہ کھلم کھلا زبان و قلم سے اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان کی تہذیب کو مٹانے کی ہر کوشش میں آپ دیکھینگے کہ یہ دشمنوں سے چار قدم آگے ہیں۔ ہر وہ اسکیم جو اسلام اور مسلمانوں کی بیچ مکنی کے لیے کہیں سے نکلی ہو، اس کو مسلمانوں کی جماعت میں نافذ کرنے کی خدمت یہی ناپاک گروہ اپنے ذمہ لیتا ہے، اور اسلامی قومیت کا ایک جز رہنے کی وجہ سے اس کو اپنا کام کرنے کا خوب موقع ملتا ہے۔

یہ حالت ہے اس وقت ہماری قوم کی، اور اس حالت میں یہ ایک بڑے انقلاب کے سرے پر کھڑی ہے انقلاب کی فطرت، بحرانی اور طوفانی فطرت ہوتی ہے۔ وہ جب آتا ہے تو آدھری اور سیلاب کی طرح آتا ہے اس کے زور کا مقابلہ اگر کچھ کر سکتی ہیں تو مضبوط جہی ہوئی چٹانیں ہی کر سکتی ہیں بسید عمارتیں جو اپنی جڑ چھوڑ کر محض فضا سکون و جمود کی بدولت کھڑی ہوں، ان کا کسی انقلابی طوفان میں ٹھہرنا غیر ممکن ہے۔ اب جو کوئی حضرات بصیرت انسان اس وقت مسلمانوں کی حالت پر نگاہ ڈالے گا وہ بیک نظر معلوم کرے گا کہ ان کے دور کے ساتھ یہ قوم ہرگز کسی انقلاب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے انقلابی دور میں اپنے قومی شخص اور اپنی قومی تہذیب کے خصائص کو بچانے جانا اور اپنے حقوق کو پامالی سے معفو ظار رکھنا بہت ہی مشکل ہے۔ اول تو جہالت کی بنا پر وہ بہت سے اجنبی اثرات کو بے جانے بوجھے قبول کرے گی۔ پھر زمانہ کیرکٹر اس کو بہت سی ایسی چیزوں سے متاثر کر دے گا جن کو وہ جانتی ہوگی کہ اسلامی تعلیمات کے خلاف اور اسلامی تہذیب کے منافی ہیں۔ اس طرح ایک بڑی مدت تک بلا مقابلہ سکست کھا جانے کے بعد اگر کچھ احساسات باقی رہ گئے اور کسی شدید حملے پر وہ بیدار بھی ہوئے اور اس نے اپنے حقوق کی حفاظت کرنی بھی چاہی تو نہ کر سکیگی، کیونکہ اپنی بد نظمی اور انتشار کی بدولت اس کے لیے

کوئی متحدہ جدوجہد کرنا مشکل ہوگا، اور خود اسی کے گروہ سے ہزاروں لاکھوں خائن، خدائے اور منافق اس کے قومی حقوق کو پامال کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

اگر آنے والا انقلاب محض ایک سیاسی انقلاب ہوتا تب بھی خطرہ کچھ کم نہ تھا، لیکن یہاں تو جو انقلاب آ رہا ہے وہ سیاسی انقلاب سے بڑھ کر ایک فکری اور عمرانی انقلاب ہے اس کے آثار و نتائج کو اگر آپ اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں تو زیادہ گہری نظر سے ان قوتوں کو دیکھیے جو اس انقلاب میں کام کر رہی ہیں۔

ہندوستان کی جدید وطنی حرکت دراصل نتیجہ ہے اس تصادم کا جو انگریزی اقتدار اور ہندوستان کے درمیان گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے ہو رہا ہے۔ یہ تصادم محض سیاسی نہیں ہے بلکہ فکری اور عمرانی بھی ہے، اور یہ عجیب بات ہے کہ فکری و عمرانی تصادم کا جو نتیجہ ہوا ہے وہ سیاسی تصادم کے نتیجے سے بالکل برعکس ہے۔ انگریزی سیاست کے جو رواستبداد اور معاشی ٹوٹ نے تو ہندوستان کے باشندوں کو آزادی کا سبق دیا اور ان میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ بند غلامی کو توڑ کر پھینک دیں۔ لیکن انگریزی علوم و فنون اور انگریزی تہذیب و تمدن نے ان کو پوری طرح مغرب کا غلام بنا دیا، اور ان کے دماغوں پر اتنا زبردست قابو پالیا کہ اب وہ زندگی کا کوئی نقشہ اس نقشہ کے خلاف نہیں سوچ سکتے جو ان کے سامنے اہل مغرب نے پیش کیا ہے۔ وہ جس قسم کی آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اس کی نوعیت صرف یہ ہے کہ ہندوستان سیاسی حیثیت سے آزاد ہو، اپنے گھر کا انتظام آپ کرے، اور اپنے وسائل معیشت کو خود اپنے مفاد کے لیے استعمال کرے۔ لیکن یہ آزادی حاصل کرنے کے بعد اپنے گھر کے انتظام اور اپنی

زندگی کی تفسیر کا جو نقشہ ان کے ذہن میں ہے وہ از سر تا پا سرائیکی ہے۔ ان کے پاس جتنے اجتماعی تصورات ہیں، جس قدر عمرانی اصول ہیں، سب کے سب مغرب سے حاصل کیے ہوئے ہیں۔ ان کی نظر فرنگی نظر ہے، ان کے دماغ فرنگی دماغ ہیں، ان کی ذہنیت یورپی طرح فرنگیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ ملکہ انقلابیت کے بحران نے ان کو (یا کم از کم ان کے سب سے زیادہ پر جوش طبقوں کو) فرنگیوں میں سے بھی اس قوم کا قبیح بنا دیا ہے جو انتہائی مذہبی اور تمام فرنگی اقوام کو چھپے چھوڑ چکی ہے۔ وہ بکے مادہ پرست ہیں۔ ان کی نگاہ میں اخلاق و روحانیت کی کوئی قیمت نہیں۔ ان کو خدا پرستی سے نفرت ہے۔ مذہب کو وہ شرف و کاکہم سمجھتے ہیں۔ مذہبی اور اخلاقی قدروں کو وہ پرکاش کے برابر بھی وقعت دینے کے لیے تیار نہیں۔ ان کو ہر ایسی قومیت اور ہر ایسے قومی امتیاز سے چڑھے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ رواداری جو مذہب کے ساتھ برت سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ اس کو اپنی عبادت گاہوں اور اپنے مراسم میں جینے دیں۔ باقی رہی اجتماعی زندگی تو اس میں مذہب اور مذہبیت کے ہر اثر کو مٹانا ان کا نصب العین ہے اور ان کے نزدیک اس اثر کو مٹائے بغیر کوئی ترقی ممکن نہیں۔ ہندوستانی قومیت کا جو نقشہ ان کے پیش نظر ہے۔ اس میں مذہبی جماعتوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ وہ تمام امتیازی حدود کو توڑ کر وطنیت کی بنیاد پر ایک ایسی قوم بنانا چاہتے ہیں جس کی اجتماعی زندگی ایک ہی طرز پر تعمیر ہو، اور وہ طرز اپنے اصول و فروع میں خالص مغربی ہو۔

چونکہ اس جماعت کے مقاصد میں سیاسی آزادی کا مقصد سب سے مقدم ہے، اور وہی اس وقت حالات کے لحاظ سے نمایاں ہو رہا ہے، اس لیے مسلمانوں کے آزادی پسند طبقے اس کی طرف کھینچ رہے ہیں۔

انگریز کی غلامی ہندوستان کے تمام باشندوں کے لیے ایک مشترک مصیبت ہے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے مشترک جدوجہد کرنا ہر آئینہ معقول ہے۔ اور جو گروہ اس جدوجہد میں سب سے زیادہ سرگرم ہو اس کی طرف دلوں کا مائل ہونا، اور اس کے ساتھ شریک عمل ہونا بظاہر ضروری نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے علماء اور سیاسی رہنماؤں میں سے ایک بڑی جماعت اور مخلص جماعت کانگریس کی طرف جارہی ہے اور عامہ مسلمین کو بھی ترغیب دے رہی ہے کہ اس میں شریک ہو جائیں لیکن عمل کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے ایک مرتبہ اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔

مسلمانوں کی جو کمزوریاں ہم نے اوپر بیان کی ہیں وہ سب آپ کے سامنے ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر غور کیجیے کہ ان کمزوریوں کے ساتھ جب یہ قوم کانگریس میں شریک ہوگی اور اس کے عوام سے کانگریسی کارکنوں کا رابطہ قائم ہوگا تو آزادی وطن کی تحریک کے ساتھ ساتھ اور کس کس قسم کی تحریکیں ان کے درمیان پھیلیں گی؟ کس کس طرح مسلمانوں کے عوام ان اجتماعی نظریات ان ملحدانہ افکار ان غیر اسلامی طریقوں سے متاثر ہوں گے جو اس جماعت میں شائع و ذائع ہیں؟ کس طرح اسلامی جماعت کے رگ و ریشہ میں اس فکری و عمرانی انقلاب کے عناصر پھیلے جائیں گے جو سیاسی انقلاب کے ساتھ ہم رشتہ ہے؟ کس طرح مسلمانوں کے اندر ایک ایسی رائے عام تیار کرنے کی کوشش کی جائے گی جو علی رغم ان فتنہ آلود عمار جدید ترین مغربی و اشتراکی بنیادوں پر اجتماعی زندگی کی تعمیر کے ہر نقشہ کی تائید کرے؟ کس طرح مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے خود مسلمانوں کی جائے وہ لوگ تیار کیے جائیں گے جو اسلامی کلچر کے خلاف ہر قسم کے طریقے رائج کرنے اور ہر قسم کے قوانین وضع کرنے میں حصہ لیں؟ ان حالات میں آپ کے پاس کونسی قوت ہے جس سے آپ اپنی قوم کو قابو میں رکھ سکیں گے؟ آپ نے اپنے عوام کو اسلامی تہذیب کے حدود میں رکھنے کا کیا نیند و بستی کیا ہے؟ آپ نے



ان کو غیر اسلامی اثرات سے بچانے کا کیا انتظام کیا ہے؟ آپ نے اپنے غداروں اور منافقوں کے  
فتنے کا کیا علاج سوچا ہے؟ آپ کے پاس یہ اطمینان کرنے کا کونسا ذریعہ ہے کہ کسی ضرورت کے  
موقع پر آپ اسلامی حقوق کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو جمع کر سکیں گے اور ان کی  
متحدہ طاقت آپ کی پشت پر ہوگی؟

انگریز کے اقتدار کا خاتمہ کرنا یقیناً ضروری ہے، بلکہ فرض ہے۔ کوئی سچا مسلمان علامی پر ہرگز راضی  
نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کے دل میں ایمان ہو گا وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہ چاہے گا کہ ہندوستان انگریز  
کے پنجہ استبداد میں رہے، لیکن آزادی کے جوش میں یہ نہ بھول جائیے کہ انگریزی اقتدار کی مخالفت  
میں مسلمان کا نظریہ ایک وطن پرست کے نظریہ سے بالکل مختلف ہے۔ ہم کو انگریز سے اس لیے عداوت  
نہیں ہے کہ وہ انگریز ہے، چھ ہزار میل دور سے آیا ہے، ہمارے وطن میں پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ ہماری  
عداوت اس بنا پر ہے کہ وہ غیر صالح ہے۔ ناجائز طریقہ سے حکومت کرتا ہے عدل کے بجائے جو بھلائی آج  
کے بجائے خداداد برپا کرتا ہے اگر یہی کچھ دوسرے کریں تو ہم محض اس بنا پر ان کی حمایت نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارے ہم وطن ہیں  
مسلمان کی نگاہ میں دہلی اور غیر وطنی کوئی چیز نہیں وہ غیر ملک کے صہیب اور مسلمان کو گلے لگا سکتا  
مگر اپنے وطن کے ابو جہل اور ابولہب سے دوستی نہیں کر سکتا۔ پس اگر آپ مسلمان ہیں تو وطنیت کے دھنگ  
پر نہ سوچیے بلکہ حق پرستی کے دھنگ پر سوچیے مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریز کی غلامی کے بند توڑنا ضرور  
آپ کا فرض ہے مگر کسی ایسی حکومت کے قیام میں مددگار بننا آپ کے لیے ہرگز جائز نہیں جس کی بنیاد  
انہی اصولوں پر ہو جن پر انگریزی حکومت کی بنیاد ہے عام اس سے کہ وہ وطنی حکومت ہو یا غیر وطنی  
آپ کا کام باطل کو مٹا کر حق کو قائم کرنا ہے۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل اور بدتر باطل کو  
قائم کرنا نہیں ہے۔ آپ انگریزی حکومت کے خلاف ہر اس گروہ سے موالات کیجئے جو اس کو مٹانا

چاہتا ہو۔ مگر یہ بتائیے کہ اس ظالم حکومت کو مٹا کر ایک عادل حکومت قائم کرنے کے لیے آپ نے کیا انتظام کیا ہے؟ کونسی طاقت آپ نے فراہم کی ہے جس سے آپ دوسری حکومت کی تشکیل حق کے اصولوں پر کر سکیں؟ یہ نہیں تو جانے دیجیے۔ یہی بتائیے کہ آپ نے خود اپنی قوم کو ہل کے اثرات سے بچانے کا کیا بندوبست فرمایا ہے؟

آپ کہتے ہیں کہ ہم اپنی تہذیب اور اپنے قومی حقوق کی حفاظت کے لیے آئینی ضمانتیں لیں گے۔ ہم دستور اساسی میں ایسے تحفظات رکھوائیں گے جن سے ہمارے حقوق پر آنچ نہ آنے پائے۔ بلاشبہ یہ سب کچھ آپ کر سکتے ہیں۔ مگر شاید آپ نے غور نہیں فرمایا کہ آئینی ضمانتیں اور دستور اساسی کے تحفظات اور دوسرے تمام کاغذی موافق صرف اُسی قوم کے لیے مفید ہو سکتے ہیں جس میں ایک طاقتور رائے عام موجود ہو، جو اپنے حقوق کو سمجھتی ہو، اپنی تہذیب کو جانتی ہو اس کی خصوصیات کو پہچانتی ہو، اس کی حفاظت کا ناقابل تسخیر ارادہ رکھتی ہو، اور منفرداً و مجتمعاً اس کی طرف سے مداخلت کے لیے ہر وقت سینہ سپر ہو۔ یہ صفات اگر آپ کی قوم میں موجود ہیں تو آپ کو کسی آئینی ضمانت اور کسی دستوری تحفظ کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اگر آپ کی قوم ان صفات سے عاری ہے تو یقین رکھیے کہ کوئی ضمانت اور کوئی تحفظ ایسی حالت میں کارآمد نہیں ہو سکتا۔ آپ دستور اساسی کی ضمانتوں کو زیادہ سے زیادہ خارجی حلوں کے مقابلہ میں استعمال کر سکتے ہیں۔ مگر اندرونی انقلاب کا آپ کے پاس کونسا علاج ہے؟ مثال کے طور پر فرض کیجیے کہ کل مغلوط تعلیم شروع ہوتی ہے اور آپ کی قوم کے افراد خود اپنی مرضی سے دھڑلہ مٹا کر اپنی لڑکیوں اور لڑکوں کو مغلوط مدارس میں بھیجتے ہیں۔ کونسا دستوری تحفظ اس تحریک کو اور اس کے زہریلے نتائج کو روکنے کے لیے استعمال کیا جائے گا؟ فرض کیجیے کہ سول سیرج کے طریقہ پر مغلوط نسخا حوں کا رواج پھیلتا ہے اور آپ کی قوم خود اس تحریک سے متاثر ہو جاتی ہے۔

کوئی آئینی ضمانت اس کی روک تھام کر سکے گی؟ فرض کیجیے کہ آپ کی اپنی قوم میں پروپیگنڈا کی قوت اور تعلیم کے وسائل سے ایک ایسی رائے عام تیار کر دی جاتی ہے جو قوانین اسلامی میں ترمیم و تنسیخ پر راضی ہو آپ کی اپنی قوم کے افراد ایسے قوانین کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جو اصول اسلام کے خلاف ہوں۔ خود آپ ہی کے ووٹوں کی اکثریت سے ایسی تجویزیں پاس ہو جاتی ہیں جو آپ کے تمدن کو اسلامی شاہج سے ہٹا دینے والی ہوں۔ وہ کوئی ”بنیادی حقوق“ ہیں جن کا واسطہ دے کر آپ ان چیزوں کو منسوخ کر سکیں گے؟ فرض کیجیے کہ آپ کی قوم بتدریج ہمسایہ اقوام کے طرز معاشرت، آداب و اطوار، عقائد و افکار کو قبول کرنا شروع کرتی ہے اور اپنے قومی امتیازات کو خود بخود دھنسنے لگتی ہے۔ کونسا کاغذی میثاق اس تدریجی انجذاب کی روک تھام کر سکیگا؟ آپ اس کے جواب میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سب تمہارے خیالی مفروضات ہیں۔ اس لیے کہ جو مسلمان اس وقت وطنی تحریک میں شریک ہیں ان کے منہ آپ کے سامنے موجود ہیں سو کیچھ لہجے کہ ان کا طرز عمل انگریز کے غلاموں کے کچھ بھی مختلف نہیں۔ وہی ذہنی غلامی، وہی زنا نہ انفعال و تاثر، وہی انجذاب کی کیفیت یہاں بھی نمایاں ہے جو آستانہ فرنگ کے طائفین و عاکفین میں نظر آتی ہے۔ پھر جب اپنی قوم کی کمزوری اور اس کی موجودہ مزاجی کیفیت کے یہ کھلے ہوئے علائم و آثار آپ کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں تو آخر کس بھروسہ پر آپ ساری قوم کو ادھر لے جانا چاہتے ہیں؟ فرمائیے تو سہی کہ آپ نے باطنی انقلاب اور بیرونی انجذاب کو روکنے کے لیے کونسا تحفظ فراہم کر رکھا ہے؟

مسلمانوں میں اس وقت زیادہ تر تین گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ آزادی وطن کے لیے بے چین ہے اور کانگریس کی طرف کھینچ رہا ہے یا کھینچ گیا ہے۔ دوسرا گروہ اپنی قومی تہذیب اور اپنے قومی حقوق کی حفاظت کے لیے انگریز کی گود میں جانا چاہتا ہے اور آئندہ انقلاب کے حضرات سے بچنے کی

یہی صورت مناسب سمجھتا ہے کہ سرکار برطانیہ کا معاون بن کر آزادی کی تحریک کو روکے۔ تیسرا اگر وہ عالم حیرت میں کھڑا ہے اور خاموشی کے ساتھ واقعات کی رفتار کو دیکھ رہا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ تینوں گروہ غلطی پر ہیں۔ پہلے گروہ کی غلطی ہم نے اوپر واضح کر دی۔ دوسرے گروہ کی غلطی بھی کچھ کم خطرناک نہیں۔ یہ لوگ اپنی کمزوریوں کی اصلاح کرنے کے بجائے دوسروں کی ترقی کو روکنا چاہتے ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کے ضعف کی تلافی خیروں کے سہارے سے ہو جائے گی، ایسی ذلیل پالیسی دنیا میں نہ کبھی کامیاب ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ جو قوم خود زندہ رہنے کی طاقت

رکھتی ہو، جس میں خود اپنے وجود اور اپنے حقوق کی حفاظت کا بل بوتانہ ہو، وہ کب تک دوسروں کے سہارے پر جی سکتی ہے؟ کب تک کوئی سہارا اس کے لیے قائم رہ سکتا ہے؟ کب تک زمانے کے انقلابات اس کی خاطر رکے رہ سکتے ہیں؟ انگریز قیامت تک کے لیے مہندوستان پر حکومت کرنے کا پتہ لکھوا کر

نہیں لایا ہے۔ ہر قوم کے لیے ایک مدت ہوتی ہے۔ انگریز کے لیے بھی بہر حال ایک مدت ہے، اور وہ آج نہیں تو کل پوری ہوگی۔ اس کے بعد وہی قوم برسرِ اقتدار آئے گی جس میں بہت اور طاقت ہوگی

حاکم نہ اوصاف ہوں گے، غزائم اور جوصلے ہوں گے، صلابت اور عصبیت ہوگی۔ اگر تم میں یہ

اوصاف ہوں تو وہ قوم تم ہو سکتے ہو۔ اور اگر تم ان سے عاری ہو تو بہر حال نہاری قسمت میں حکومت کی ذلت، اور ذلت کی موت ہی ہے جھگن کھائی ہوئی لاش کسی عصا کے سہارے پر کھڑی ہو رہی ہو، ہمیشہ ٹکڑی نہیں رہ سکتی۔ عصا کبھی نہ کبھی ہٹ کر رہے گا، اور لاش کبھی نہ کبھی گر کر رہے گی۔

تیسرے گروہ کی غلطی سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ دنیا ایک عرصہ جنگ ہے جس میں تنازع لبقا کا سلسلہ جاری ہے۔ اس معرکہ میں اُن کے لیے کوئی کامیابی نہیں جو زندہ رہنے کے لیے مقابلہ مزاحمت کی قوت نہ رکھتے ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ ایک دور کے خاتمہ اور دوسرے دور کے آغاز کا وقت تو قوموں کی قسمتوں کے فیصلہ کا وقت ہوتا ہے۔ ایسے وقت پر کون اور جو د کے مہنی نہاکت اور

موت کے ہیں۔ اگر تم خود ہی مرنا چاہتے ہو تو بیٹھے رہو اور اپنی موت کی آمد کا تماشہ دیکھے جاؤ۔ لیکن اگر زندہ رہنے کی خواہش ہے تو سمجھ لو کہ اس وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ یہ سستی رفتار کا زمانہ نہیں ہے صدیوں کے تغیرات اب مہینوں اور برسوں میں ہو جاتے ہیں۔ جس انقلاب کے سامان اس وقت ہندوستان اور ساری دنیا میں ہو رہے ہیں وہ طوفان کی سی تیزی کے ساتھ آ رہا ہے۔ اب تمہارے لیے زیادہ سے زیادہ دس پندرہ سال کی مہلت ہے۔ اگر اس مہلت میں تم نے اپنی کمزوریوں کی تلافی نہ کی اور زندگی کی طاقت اپنے اندر پیدا نہ کی تو پھر کوئی دوسری مہلت تمہیں نہ ملے گی۔ اور تم وہی سب کچھ دیکھو گے جو دوسری کمزورتوں میں اس سے پہلے دیکھ چکی ہیں۔ اللہ کا کسی قوم کے ساتھ رشتہ نہیں ہے کہ وہ اُس کی خاطر اپنی سنت کو بدل ڈالے۔

جمود بہر حال ٹوٹنا چاہیے حرکت کی ضرورت ہے اور شدید ضرورت ہے مگر نری حرکت کسی کام کی نہیں حکمت اور تدبیر کے ساتھ حرکت ہونی چاہیے۔ خصوصاً نازک اوقات میں تو حرکت بلا تدبیر کے معنی خود اپنے پاؤں چل کر خندق میں جا گرنے کے ہیں۔ یہ اندھے جوش اور ابلیہانہ شباب روی کا وقت نہیں۔ قدم اٹھانے سے پہلے ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لے کر سوچئے کہ قدم کس سمت میں اٹھانا چاہیے؟ آپ کی منزل مقصود کیا ہے؟ اس کی طرف جانے کا صحیح راستہ کونسا ہے؟ اس راستہ پر چلنے کے لیے آپ کو کس سامان کی ضرورت ہے؟ کن کن مرحلوں سے آپ کو گزرنا ہوگا؟ درہم رحلے سے سلامت گزر جانے کے لیے کیا تدبیریں اختیار کرنی پڑیں گی؟ آئندہ اشاعت میں انہی سوالات پر ہم تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔